حنا بشریٰ

داج

www.zemtime.com

صحن میں بچھی چارپائیوں پہ وہ چاروں بیٹھے تھے۔ ان چاروں کے درمیان پچھلے دو گھنٹے سے جاری گرما گرم بحث نے ہاتھوں میں پکڑی گرم چائے ٹھنڈی کر دی تھی۔ چند لمحوں کے لیے باتوں کا سلسلہ رکتا تو کسی کے چہرے پہ غصہ ہوتا تو کسی کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں۔

اگلے ہی لمحے پھر سے وہی بات کسی نئے انداز و طریقے سے چھڑ جاتی۔ نہ باتیں ختم ہونے میں آ رہی تھیں اور نہ ہی ان باتوں کا کوئی نتیجہ نکلتا نظر آ رہا تھا۔

دروازے کی اوٹ میں کھڑی کلثوم کے بھی اب پیر تھک کر دہائیاں دینے لگے تھے۔ اسے دیکھ کر یہ گمان ہونے لگا تھا کہ وہ کوئی پتھر کا بت ہو۔

☆☆☆

''نا مجید پائی (بھائی) ہم نے کون سی ایسی وڈی چیزیں مانگ لی ہیں؟''

ٹھنڈی چائے کا آخری گھونٹ لے کر پیالی پاس ہی چارپائی پر پٹختی یہ میداں تھی۔ جس کی زبان درازی سے پورا خاندان گھبراتا تھا۔ وہ بولنے پہ آتی تھی تو سامنے والے بندے کی تو بولتی ہی بند ہو جاتی تھی۔

ابھی بھی پچھلے دو گھنٹے سے اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ سامنے بیٹھے مجید اور اس کی بیوی صغریٰ ''ہولے ہولے'' سروں کو ہلاتے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ سننا ان کی مجبوری جو تھی۔ پھر میداں کے سامنے کیا مجال تھی کہ وہ کچھ بولتے۔ اداس چہروں پہ پریشانی جھلک رہی تھی۔ اور گھونٹ گھونٹ ٹھنڈی چائے جیسے زہر مار کر رہے تھے۔

''نا سی جو کج وی دینا ہے۔ اپنی بیٹی کو ہی دینا ہے.....!''

غصے سے سر جھٹکتے ہوئے کھینچ کر دوپٹہ اپنے سر پہ ڈالا تھا اور ساتھ ہی پاس بیٹھے اپنے شوہر اقبال (عرف بالا) کو موٹی موٹی آنکھوں سے گھورا تھا۔ جس نے بڑا سا سر ہلاتے ہوئے بیوی کی ہاں میں ہاں ملائی تو میداں کا چہرہ فخر سے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔

بالا پورے خاندان میں زن مرید کے نام سے مشہور تھا۔ مگر اس مشہوری پہ بالا سینہ پھلا کر پھرتا تھا۔ کیونکہ میداں آٹھ جماعتیں پاس تھی اور خاندان کی سب سے ''سوہنی اور سیانی'' عورت بالے کے حصے میں آئی تھی۔

''میداں جو کہتی ہے سولہ آنے ٹھیک کہتی ہے!'' یہ بالے کا اپنی سوہنی اور سیانی میداں کو خراج تحسین تھا۔

''میداں وہ بات کرتی ہے جہاں عام بندے کی عقل وی نئی پہنچی ہوتی!'' یہ جملہ تو بالے کا تکیہ کلام تھا۔

''گل تے ٹھیک ہے میداں بابی..... پر.....!''

کافی دیر سے خاموش اور فکروں میں گھری صغراں نے بمشکل بالے اور میداں کے سامنے زبان ہلانے کی مجال کی تھی۔

''پر..... نا کی مطلب ہے تیرا صغراں اس پر کا!''

صغراں کے منہ سے لفظ ''پر'' غلطی سے کیا نکلا..... بس اب تو میداں کے ہاتھوں اس کی شامت ہی آ گئی تھی۔ صغراں کی بھی اور اس کے ''پر'' کی بھی۔ وہ تو عین بیچ میں سے اذان کی آواز نے کچھ دیر کے لیے میداں کو تقریر سے روک دیا جو ''پر'' پہ تھی۔ ورنہ میداں کو روکنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

میداں نے اذان ختم ہونے کا انتظار بڑی بے چینی سے کیا تھا۔

جیسے ہی اذان ختم ہوئی پھر کیا تھا۔ میداں تھی اور صغراں کا پر اور پھر میداں نے وہ باتیں سنائیں کہ صغراں آنکھیں پھاڑ کر شوہر کو دیکھنے لگی کہ جیسے اس نے لفظ ''پر'' نہیں کہا، میداں کو کوئی گندی گالی دی ہو۔

''ہم نے جو کہنا تھا کہہ دیا صغریٰ!'' جھٹکے سے کہہ کر میداں اٹھی، تو ساتھ ہی ''حکم کے غلام'' بالے نے بھی کھڑا ہونے میں ایک پل کی بھی دیر نہ لگائی

www.zemtime.com

تھی۔

"ٹھنڈے دماغ دے نال اپنی پابی (بھابھی) میداں کی باتوں پہ غور کرنا مجیدے۔" یہ ارشاد اقبال عرف بالے کا تھا۔

"اگر منظور ہے تو ٹھیک..... ورنہ۔"

اور اس ورنہ کے بعد تو جیسے صغراں مجید اور دروازے کے پیچھے چھپی کھڑی ان سب کی باتیں سنتی کلثوم کی سانس ہی رک گئی تھی۔ جانے والے پیچھے رہ جانے والوں کو ڈھیروں فکریں تھما کر جا چکے تھے۔

☆☆☆

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ سب اپنی اپنی چارپائیوں پہ فکروں کی چادر اوڑھ کے لیٹ گئے تھے۔ کسی کی آنکھیں بند تو کسی کی کھلی، دماغ سب کے جاگ رہے تھے۔

"فکریں جونک بنی دماغ سے چمٹی ہوں، تو بھلا پرسکون نیند کہاں آتی ہے!"

کروٹیں بدلتے کبھی ایک طرف، تو کبھی دوسری طرف، ان سب کے بدن تھکن سے چور ہونے لگے تھے۔ سوچیں مکڑیاں بنی ان کے ذہنوں میں جالے بننے لگی تھیں۔

مجید گاؤں کا معمولی سا مزارع تھا۔ جس کی آمدنی محدود اور وسائل بھی محدود تھے۔ دوسروں کی زمینوں پہ ہل چلاتے، اپنا پسینہ بہاتے، زندگی بھر مجید کی بس یہی خواہش دل میں رہی کہ اتنی جمع پونجی ہو جائے کہ ذاتی زمین ہی خرید لیتا، مگر یہ خواہش بس دل ہی میں رہی، آدھی زندگی ۔ دوسروں کی زمینوں پہ ہی پسینہ بہاتے گزر گئی تھی۔

صابر اور رب کی رضا پہ راضی مجید نے تھوڑی آمدنی میں زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھ لیا، رب سوہنے کا یہی بڑا احسان رہا کہ نہ کبھی مجید بھوکے پیٹ سویا اور نہ ہی اس کے بیوی بچے۔

"رب سوہنے میں تیرے تھوڑے دیئے پہ راضی، بس تو بھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہ دینا۔"

ہر رات یہی دعا مانگ کر مجید سویا کرتا تھا۔

مگر آج بے چینی بے سکونی اور دماغ میں چلتی میداں اور بالے کی باتیں اسے سونے نہیں دے رہی تھیں۔ وہ اس مشکل سے نکلنے کے لیے ہزار راستے ڈھونڈ چکا تھا۔ مگر ہر راستہ اسے بند گلی میں لے جا رہا تھا۔ سوچوں نے اس کا دماغ بری طرح تھکا دیا تھا۔

☆☆☆

مجید کے ساتھ والی چارپائی پہ لیٹی سوچوں میں الجھی صغراں کی آنکھیں بھی آج رات نیند سے محروم رہی تھیں۔ صغراں نے تو رات کا کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہ کھایا تھا۔ میداں اور بالے کی باتیں اس کی نیند اور بھوک دونوں اڑا گئی تھیں۔

گھر کے کل پانچ افراد تو تھے۔ مجید، صغراں اور ان دونوں کی بیٹیاں کلثوم، شمسی اور نگی۔ مجید جو کما کر لاتا، صغراں کے ہاتھ پہ لا کر رکھتا، اور ساتھ ہی بیوی کو یہ بھی نصیحت کر دیتا کہ "آدھا خرچ کر لے، آدھا جوڑ لینا....."

صبر کی روٹی، شکر کے پانی کے ساتھ کھا کر رب کے حضور سربسجود ہو جانے والی صغراں نے شوہر کی بات کو پلو سے باندھ لیا تھا۔

وہ جان گئی تھی اور سمجھ بھی گئی تھی کہ "آدھا جوڑ لینا" کا کیا مطلب تھا۔ جن کے گھروں میں رب سوہنا بیٹیاں دے، ان کی ماؤں کو ہر بات کھول کر سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

صغراں نے جوڑنا شروع کر دیا تھا۔ اور تین ٹرنک (صندوق) بھی خرید لیے تھے۔ آخر کل کو تین بیٹیاں بھی تو رخصت کرنی تھیں۔ خالی ہاتھ تو وداع نہیں کرنا تھا۔ کم یا زیادہ اپنی حیثیت کے مطابق "داج" (جہیز) تو تینوں کو ہی دینا تھا۔ یہ تو رسم دنیا تھی۔ ہر صورت ادا کرنی تھی۔

سلیقہ مندی سے گھر کا خرچا کرنے کے بعد جو بچتا، صغراں جمع پونجی سے پورے انصاف کے ساتھ بیٹیوں کے جہیز کے لیے کوئی نہ کوئی چیز خرید کر تینوں ٹرنک میں رکھ کر تالا لگا دیا کرتی تھی۔

www.zemtime.com

تینوں بیٹیوں کو کبھی صغراں نے بوجھ نہیں سمجھا تھا۔ وہ تو بڑی محبت کی ساتھ تینوں کے جہیز بنا رہی تھی۔

"یہ تو حق ہوتا ہے بیٹیوں کا۔" مجید کی اس بات سے صغراں بھی متفق تھی۔ صغراں نے متفق ہونا ہی تھا وہ بھی تو کسی کی بیٹی تھی' اسے بھی تو ماں باپ نے اپنی حیثیت کے مطابق دے دلا کے ہی رخصت کیا تھا۔ اب انہیں بھی اپنی حیثیت کے مطابق سب سے پہلی بیٹی کلثوم کو جہیز دینا تھا۔ لفظ "حیثیت" نے بڑے زور کا ڈنک صغراں کو مارا کہ بہت تکلیف کے ساتھ اس نے کروٹ بدلی تھی۔ میداں اور بالے کی باتوں نے آج اس اذیت بھرے انداز میں انہیں ان کی حیثیت بتائی کہ دل کا سارا اطمینان وسکون ہی تباہ کر ڈالا تھا۔ نیند تو آج صغراں کے نصیب میں بھی جیسے لکھی نہ تھی۔

☆☆☆

"منظور ہے تو ٹھیک ورنہ.....!" لفظ ورنہ نے اپنی چارپائی پہ بے سدھ پڑی کلثوم کے دل میں ہلچل مچا رکھی تھی کہ نیند اس کی آنکھوں میں بھی اترنے پہ آمادہ نہ تھی۔ میداں کی باتیں اس کے دماغ میں ابھی تک گونج رہی تھیں۔ کتنی آسانی سے میداں (اس کی ہونے والی ساس) وہ سب باتیں کہہ گئی تھی۔ وہ باتیں کہاں تھیں، وہ تو دھمکیاں تھیں۔ جو عالی شان رواج کے لیے لڑکے کی ماں لڑکی کے ماں باپ کو دے گئی تھی۔

مجید اور صغراں سے اپنی دلی حالت چھپائے کلثوم بس بے قراری سے کروٹیں نہیں بدل رہی تھی، وہ الگ بات ہے کہ آنکھوں سے بہتا پانی اس کا تکیہ اور قمیض کا بازو ایسے بھگو رہا تھا کہ جیسے کسی نے کلثوم پہ مٹھی بھر کے پانی پھینک دیا ہو۔

"بول کیسا لگتا ہوں تجھے میں۔"

یہ سوال مسکراتے ہوئے میداں کے اکلوتے بیٹے ارشد نے اس سے پوچھ کر تو جیسے اس کی جان ہی نکال دی تھی۔ میداں کلثوم کی سگی تائی تھی۔ اقبال، مجید کا بڑا بھائی تھا۔

شرم کے مارے کلثوم اپنے اندر ہی سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اونچا لمبا، گورا چٹا، اور وہ بھی دس جماعتیں پاس لڑکا، بھلا کس لڑکی کی آنکھ کو نہیں بھا سکتا تھا۔

"مجھے کیا پتا!"

میداں نے نیا گھر خریدا تھا۔ قرآن خوانی پہ سارا خاندان بلایا تھا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر ارشد نے کلثوم سے بات کرنے کا موقع وہ بھی تنہائی میں ڈھونڈ لیا تھا۔

راستہ روک کے وہ بڑے رعب کے ساتھ کلثوم سے اس سوال کا جواب مانگنے کھڑا ہو گیا تھا۔ جواب تو ارشد اچھی طرح جانتا ہی تھا۔

کلثوم کے گالوں کی لالی، کاجل بھری مسکراتی آنکھوں نے بہت بار کلثوم کی چغلی کھائی تھی۔ وہ تو بس ارشد اس کے دل کی بات، زبان سے سننا چاہتا تھا۔ شرم کی ماری کلثوم کترا کے نکلنے کی کوشش میں تھی کہ اپنی مکھن جیسی گوری اور ملائم چوڑیوں بھری کلائی ارشد کے ہاتھ کی مضبوط گرفت سے نہ بچا پائی تھی۔

"جواب دے گی تو ہاتھ چھوڑوں گا۔ ورنہ"

ارشد تو ڈٹ گیا تھا۔ وہ تو پتا نہیں کیسے کلثوم اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے میں کامیاب تو ہو گئی تھی' مگر اپنی ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے اسے تھما آئی تھی، جن کی کھنک بھی ارشد کو محبت کے گیت گاتی محسوس ہوتی تھی۔

تین سال پہلے وہ ارشد کا محبت بھرا ورنہ! اس کے انگ انگ میں محبت بھر گیا تھا۔ اور اب تین سال بعد ارشد کی ماں میداں کا یہ دھمکی آمیز "ورنہ"۔

"اب بات ہو گی تو دو ٹوک..... ورنہ"

سوجی ہوئی آنکھوں کو رگڑ کر صاف کرتے پچھلے کئی گھنٹوں سے روتی کلثوم کے دل نے بھی کچھ ٹھان لیا تھا۔ ایک نظر کروٹ بدلنے کے بہانے چپکے سے کلثوم نے سب کی چارپائیوں پر نظر ڈالی تھی۔ اپنی فکریں' پریشانیوں چند گھڑیوں کے لیے رات کے ہاتھوں رہن رکھوا کر سب نڈھال تن سو گئے تھے۔

www.zemtime.com

کلثوم کے تھکے ہوئے دل ودماغ نے بھی شاید کچھ ایسا ہی سوچ لیا تھا کہ اب آر یا..... یا پھر پار.....

☆☆☆

مجید کے گھر سے آتی ڈھولک کی آواز اور اس کے سنگ شریر لڑکیوں کے گیت اور قہقہے۔۔خوشی تھی کہ ہر آواز میں سمائی ہر چہرے سے پھوٹتی دکھائی دے رہی تھی۔

"سب انتظام ٹھیک ہے نا کلثوم کے ابا!"

سرخ گوٹے والے دوپٹے میں صغراں کا چہرہ خوشی کے مارے اناری رنگ ہوا جا رہا تھا' ایک بھرپور نگاہ اس کے مسکراتے چہرے پر ڈالتے ہوئے مجید نے اجلی پگ سر پر باندھی اور خود بھی مسکرایا تھا۔

"او ہاں ہاں..... سب کچھ ٹھیک ہے۔فکر کی کوئی گل ہی نہیں"

کتنے برسوں بعد مجید نے بھی آج نیا جوڑا پہنا تھا۔شاید دس سال بعد وہ تو چھوٹی بڑی عید پر بھی پرانے جوڑے کو ہی دھو کر پہنتا اور عید کی نماز ادا کرتا۔۔صغراں بہت بار نیا جوڑا بنانے کا کہہ چکی تھی۔۔

"او رہن دے پلے لو کے۔ایویں پیسے ضائع کرنا!"

تین بیٹیوں کو عزت سے رخصت کرنے کی ایسی فکر' مجید کے دل کو لگی تھی کہ اپنا آپ بھول گیا تھا وہ اپنی ذات پر کم سے کم خرچ کرتا باقی سب صغراں کے حوالے کر دیتا۔

"بیٹیوں کا داج" شاید مجید کی زندگی کی اولین ترجیح بن گیا تھا وہ خود روکھی سوکھی کھاتا۔پرانے کپڑے دھو کر پہن لیتا۔پھٹے کپڑے پر صغراں سے پیوند لگوا لیتا تھا۔ٹوٹی ہوئی جوتی وہ گاؤں کے گاما موچی سے ایک بار نہیں کئی بار سلوا چکا تھا۔

"او چھڈ دے اس کی جان مجیدے!"

گاما چڑ کر کہتا تو مجید نہیں چڑتا تھا۔

"شکر ہے ابا آج تو نے بھی نیا جوڑا اور نیا جوتا پہنا"

گلی اور شمی نے بھی باپ کو نئے جوڑے اور نئے جوتے میں دیکھ کر شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔پیلے جوڑے میں گوٹے والا چمک دار دوپٹہ لیے بیٹھی کلثوم کی آنکھیں بھی خوشی کے پانی سے بھر گئی تھیں۔۔

☆☆☆

"ارشد تو نے خود میری طرف محبت کا ہاتھ بڑھایا تھا نا؟"

اس رات تھکے ہوئے دل ودماغ کے ساتھ کلثوم نے ارشد سے ہر بات کھل کر کرنے کی ٹھانی تھی۔شام کا اندھیرا پھیلتے ہی اپنا چہرہ چادر میں چھپاتے وہ شمی کا ہاتھ پکڑ کر گاؤں کے پی سی او پہ پہنچ گئی تھی۔

"تو نے خود اپنی امی کو ہماری طرف رشتے کے لیے بھیجا تھا نا؟"

آنکھوں میں آنسو مگر کلثوم کا لہجہ کہیں سے بھی بھیگا ہوا نہیں لگ رہا تھا اسے آج ارشد سے دوٹوک بات کرنی تھی۔

"ہاں"۔ارشد کی یک لفظی ہاں میں حیرت ہی حیرت تھی۔ایک تو شام کو پی سی او سے کلثوم کا فون کرنا۔اور پھر یہ الجھی الجھی باتیں' ارشد ایک دم سے کچھ سمجھ نہ پایا تھا۔

"نا میرے اماں ابا نے تیرے ماں باپ کے اگے ہتھ جوڑے تھے؟"

ارشد ابھی بھی سمجھنے سے قاصر تھا وہ چاہ رہا تھا کہ جو بھی بات ہے کلثوم کھل کر بیان کرے۔جو پریشانی ہے پوری طرح بتائے۔تاکہ کچھ تو اس کے پلے پڑے۔

"تے فیر یہ "ورنہ" بیچ میں کہاں سے آ گیا ہے؟"

غصے میں بھری کلثوم نے دل کی ہر بات ارشد کے سامنے رکھ دی تھی۔

جہیز کو لے کر میداں اور بالے کی دھمکیوں سے لے کر جس سے ابھی تک ارشد بے خبر تھا۔

"اگر تجھے بھی فکر داج کی ہے۔تے فیر میری طرف سے بھی نا ہے ارشد۔مجھے نہ تیری فکر ہے نہ تیری محبت کی ارشد!" دھان پان سی کلثوم کی آواز اپنا

www.zemtime.com

فیصلہ سناتے ہوئے لرز رہی تھی شدت و جذبات سے اس کی رنگت دہکنے لگی تھی۔

''میرا ابا ساری زندگی اپنی ہڈیاں رگڑتا رہا ہے صرف اس لیے کہ ہمیں عزت سے رخصت کردے۔ وہ اپنی حق حلال کی کمائی سے اتنا داج دے سکتا ہے۔ اگر تجھے منظور ہے تو ٹھیک ''ورنہ''! ٹھک سے کلثوم نے فون بند کرتے ہوئے سب کہہ دیا تھا اب آر ہو یا پار' اسے کوئی فکر نہ تھی' نہ ارشد کی اور نہ اس کی محبت کی۔ اگر فکر تھی تو صرف اپنے ماں باپ کی پریشانی کی' جنہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر اس کا داج اپنی حیثیت سے بڑھ کر تیار کیا تھا جو میداں اور بالے کی ناک کے نیچے نہیں آرہا تھا۔

کلثوم نے یہ ساری الجھن اس کے حوالے کردی تھی جس نے محبت کا دعویٰ کیا تھا۔ اب وہ جانے اس کی محبت جانے، کلثوم نے اپنا مقدمہ محبت کی عدالت میں بھیج دیا تھا۔

☆☆☆

ارشد کی بارات دھوم دھام کے ساتھ کلثوم کے گاؤں پہنچ گئی تھی' ڈھول اور باجوں کے شور نے یہ خبر پورے گاؤں کو دی تھی۔ بارات آنے کی اطلاع ملی تو مجید اور صغراں کے دل کو چین ملا تھا۔ ورنہ تو دل اندیشوں کا شکار تھا کہ ماں باپ کی باتوں میں آکر کہیں ارشد بھی ایک دم سے قدم پیچھے نہ ہٹالے اور ''داج'' کو بیچ میں لاکر عین نکاح کے وقت کوئی بڑا ہنگامہ ڈال کر مجید کی پگ گاؤں کی گلیوں میں نہ رول دے۔ مگر اندیشوں کا منہ تو ڈھول باجوں کی آواز سن کو ہی بند ہوگیا تھا۔

محبتوں کا دعوے دار بڑی شان کے ساتھ اپنے ماں باپ کے ہمراہ آگیا تھا وہ اپنے دعوے پر پورا اترا تھا۔

''کلثوم تجھ سے سچی محبت کی ہے۔ کوئی رکاوٹ محبت کے بیچ میں آئی تو روند کر گزر جاؤں گا!''

ارشد ابھی بھی لاعلم تھا کہ اس کے ماں باپ نے ''داج'' کی وجہ سے کلثوم کے ماں باپ سے نہ صرف لڑائی جھگڑا کیا تھا بلکہ رشتہ ختم کرنے کی دھمکی بھی دے آئے تھے۔

''کوئی کمی نہیں ہے صغراں میرے پتر کو کڑیوں کی''

یہ میداں کا فخر و غرور تھا۔ جو اول تو مجید جیسے کم حیثیت رشتے دار میں رشتہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اپنے اکلوتے پتر کے لیے میداں کو ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو اتنا ڈھیروں داج لائے کے اس کا سارا گھر بھر جائے۔ میداں کے مطالبات آسمان سے باتیں کررہے تھے۔ جس میں فریج' ٹی وی' روم کولر کے علاوہ ایسی بہت سی چیزیں تھیں جو مجید اور صغراں نے خود کبھی زندگی میں دیکھی نہ تھیں۔

''میداں پابی! اس سب کی تو میری گنجائش نہیں ہے!''

میداں اور بالے نے تو مجید کو نئی فکر میں ڈال دیا تھا۔ مجید نے تو اپنی اوقات سے بڑھ کو بیٹی کو جہیز دینے کی کوشش کی تھی مگر زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ بیٹی کا باپ' جہیز کے معاملے میں کتنا مجبور ہوتا ہے۔

چند جوڑے' دو چار رضائیاں تھیں اور برتن سونے کی ہلکی سی لونگ کے ساتھ گلے کی زنجیر اور اس کے علاوہ ایک سونے کی انگوٹھی بس یہی کچھ تھا جو وہ دے سکا تھا۔ میداں تو اتنا چٹکی بھر داج دیکھ کر تپ سی گئی تھی۔

''فٹے منہ۔ لعنت ہو ایسے داج پہ!

☆☆☆

میداں اور بالا کسی صورت کلثوم کو اپنی بہو بنانے کو تیار نہ تھے۔

تایا ہونے کے ناتے اگر بالے کا خون جوش مارنے لگتا تو میداں کے طعنے اسے فوراً ٹھنڈا کردیتے

''مجھے نہیں کرنا اپنے پتر کا ویاہ ایسے بھوکے ننگے رشتے داروں میں''

میداں کا تو خونی رشتہ تھا ہی نہیں۔ جو وہ کوئی لحاظ کرتی۔ اس کی باتوں نے بالے کا بھی خون سفید

www.zemtime.com

کر دیا تھا۔

''کیوں توڑوں میں رشتہ ابا جی۔''

کلثوم کی محبت کا دعوے دار ڈٹ گیا تھا ارشد نے کلثوم سے سچی محبت کی تھی۔ اس کے دل میں کہیں بھی جہیز کا لالچ نہ تھا' ارشد کو ہمیشہ سے مجید چاچا کی حیثیت کا اندازہ رہا تھا' مجید نے کتنی مشقت اور محنت والی زندگی گزاری تھی اور اب حق حلال کی کمائی سے بیٹی کا جہیز تیار کیا تھا۔

''امی جی ایسی باتیں کریں تو وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ پر ابا جی تسی تے کجھ احساس کرو۔''

ارشد کو باپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ کیسے ان کا خون سفید ہو گیا ہے نہ بھائی کی حیثیت کا خیال ہے نہ ہی اس کی پریشانی کا۔

''ارشد! اگر اے تیری ضد ہے۔ تے فیر تیرا ساڈھے نال جینا مرنا ختم!''

میداں کی اکلوتے بیٹے کو یہ دھمکی گویا شطرنج کا آخری مہرہ تھا۔ میداں اور ارشد کے درمیان ٹھن گئی تھی' دونوں کے درمیان بات چیت بند ہو گئی تھی میداں کسی صورت کلثوم کو لانے کے حق میں نہ تھی اور ارشد نے بھی کسی دوسرے سے شادی نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ ماں پتر کی کشیدگی نے بالے کو پریشان کر دیا تھا خون نے جوش مارا اور بھائی کو بھائی کا خیال آ ہی گیا تھا' کہ اصل فساد کی جڑ ''داج'' ہے۔

''او! تو ہی چھڈ دے ضد میداں''

روز روز کی کل کل سے اقبال تنگ آ گیا تھا اور دل کے کسی کونے میں یہ خیال بھی بیٹھ گیا تھا کہ بڑا بھائی ہونے کے ناتے چھوٹے بھائی کا خیال کرنا چاہیے۔

''کوئی غیر ایسا کرے تو سمجھ میں آتی ہے۔ مگر اپنا ایسا کرے!''

خاندان برادری کے کچھ لوگوں نے بھی اقبال کو سمجھایا تھا کہ خون کے رشتے خوامخواہ کی باتوں کی وجہ سے توڑے نہیں جاتے۔ یہ کوئی عقل مندی نہیں۔

''جواں پتر سے کی ضد لگائی''

اقبال کو لگا تھا کہ جہیز کی وجہ سے کسی کی بیٹی کو انکار کرنا کتنی ذلت کی بات ہے وہ بھی ''کسی'' اپنے کو۔

سب کے کہنے پر اور اقبال کے سمجھانے پر میداں نے' بیٹے کی ضد کے آگے ہتھیار تو ڈال دیئے اور وہ بیٹے کی بارات لے کر تو آ گئی تھی' مگر مجید اور صغراں کو منہ کے بگڑے تاثرات دکھانے نہیں بھولی تھی۔

''کھانے کا انتظام پورا ہے نا صغراں! میداں نے دل کی کھولن اب کسی نہ کسی طرح تو نکالنی تھی۔

''میداں پابی سارا انتظام پورا ہے فکر کی کوئی گل نئیں''

صغراں نے مسکراتے ہوئے ہمیشہ کی طرح نرمی سے جواب دیا تھا۔

وہ تو پہلے بھی میداں کی تلخ مزاجی کے باوجود دھیمی رہتی تھی اب تو وہ بیٹی کی ساس تھی۔۔ اپنی حیثیت کے مطابق تو مجید نے کھانے کا اچھا انتظام کیا تھا۔

رب سوہنے نے بھی کھانے میں خوب برکت دی تھی۔ گاؤں کے زمیندار نے دو بوریاں چاول اور گھی کے دو کنستر بھجوائے تھے مجید اس کی زمینوں پر ہل جو چلاتا تھا۔

''لکھ تے سواء'' میداں نے صغراں کی خوش دلی پہ دل ہی دل میں زہر نگلا تھا اور سر جھٹکتے ہوئے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

مگر ہر بات کو نظر انداز کر کے مجید اور صغراں کے دل کو یہی اطمینان بہت تھا کہ بیٹی کو عزت سے رخصت کر رہے تھے اور اپنی حیثیت کے مطابق جو دے سکتے تھے وہ ''داج'' بھی بیٹی کو دیا تھا۔۔ بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کیا تھا۔

☆☆

www.zemtime.com